ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No1 2024

منٹو کے افسانوی موضوعات کا اجمالی جائزہ

An overview of Minto's mythological themes

سعدیہ نیاز

ایم۔فل اُردو، ملتان، پنجاب، پاکستان

Abstract:

The name of Saadat Hasan Manto is at the forefront in bringing fiction writing to the extreme. Manto's unique themes, diverse characters, artistic and intellectual aspects, and the interrelationship of scenery and detailing have established such a model of unified impression that The example of more or less is not seen in the period of the century except in fiction writing. Accepting the influence of Maupassant and Chekhov, Minto made the situations and events of the downtrodden members of the society a living reality through characterization. The proposed article provides a brief overview of Minto's mythological themes.

Key words: Fiction, Saadat Hasan Manto, fictional themes, Urdu fiction,Indo Pak Division

فنِ افسانہ نگاری کو اوجِ ثریا سے روبرو کرانے میں سعادت حسن منٹو کا نام سرِ فہرست ملتا ہے۔ منٹو کے منفرد موضوعات، متفرق کردار، فنی و فکری پہلو اور منظر نگاری و جزئیات نگاری کے باہمی ربط نے وحدت تاثر کا ایسا نمونہ قائم کیا ہے جس کی مثال کم و بیش افسانہ نگاری کی سو اصدی کے عرصے میں دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ موپساں اور چیخوف سے اثر قبول کر کے منٹو نے معاشرے کے پِسے ہوئے افراد کے حالات و واقعات کو موضوع بنا کر کردار نگاری سے زندہ حقیقت بنا دیا۔ مجوزہ مضمون میں منٹو کے افسانوی موضوعات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ منٹو کی ادبی زندگی کا آغاز 1936ء کی نئے ادب کی تحریک سے ہوا۔ نئے ادب کی تحریک ایک باغی تحریک تھی جس کی بنیاد "انحراف" تھی۔ منٹو اس تحریک کا سب سے بڑا باغی ادیب تھا جس کی بغاوت اس سماج کے خلاف تھی جس کی عائد کردہ پابندیاں اور موجودہ تہذیب کا ملمع اور تصنع، فطری و صحت مند نشو نما کو روکتے ہیں۔ منٹو نے اس تحریک کے زیر اثر "جنس" کو بطور موضوع منتخب کیا جو سماج کی نظر میں سے سے زیادہ ممنوع تھا۔

> "منٹو کی افسانہ نگاری دو متضاد عناصر کے تصادم کا نتیجہ ہے۔ اس کے والد خدا بخشے بڑے سخت گیر تھے اور اس کی والدہ نہایت رحم دل۔ ان دو پارٹوں کے اندر پس کر یہ دانہ گندم کس شکل سے باہر نکلا ہو گا اس کا اندازہ آپ کر سکتے ہیں۔"(۱)

منٹو کی افسانہ نگاری تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ ابتدا سے 1936ء تک کا ہے۔ اس دور میں منٹو کے اولین افسانے شمار ہوتے ہیں جن میں نہ تو جنسی بے راہ روی کا پردہ فاش کیا گیا ہے اور نہ ہیں کسی طوائف کا تزکرہ ہے۔ اس دور کے افسانوں کے موضوعات بھی عام سے ہیں۔

> "منٹو کے افسانوں میں دو خصوصیات ایسی ہیں جو اسے اپنے معاصروں سے بالکل علیحدہ کر دیتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کبھی ایسی چیز کو افسانے کا موضوع نہیں بناتا جس کے کیف و کم سے وہ بخوبی آگاہ نہ ہو۔ اس کی حیرت انگیز قوت مشاہدہ، اس کے ذہن میں واقعات کا تحفظ اور اس کی تیز نظری اس سلسلے میں نظر آتی ہیں۔"(۲)

منٹو کی ادبی تخلیقات کا دوسرا دور 1937ء سے 1947ء کا ہے۔ یہ دور سانحہ تقسیم پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں منٹو نے افسانے کو نئی جہات سے متعارف کرایا۔ نئی فضا، تکنیک، سمت اور نئے موضوعات دیے۔ اس دور میں منٹو کا شمار صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوا اور "نیا قانون، شغل، نعرہ، چوہے دان، کالہ شلوار، دھواں، بو، گوپی ناتھ اور چغد" جیسے افسانے وجود میں آئے۔

منٹو کی ادبی نگارشات کا تیسرا اور آخری دور 1948ء سے بوقتِ وفات 1955ء تک کا ہے۔ اس دور میں انہوں نے تقسیم کے سانحے کے حوالے سے متعدد افسانے لکھے۔ منٹو نے تقسیمِ برصغیر کو موضوع بنا کر جس تعداد میں افسانے تخلیق کیے اس کی مثال معاصر افسانہ نگاروں کے ہاں نہیں ملتی۔ منٹو کے بیشتر افسانوں کا موضوع عورت ہے۔ یہ عورتیں متنوع اوصاف کی حامل ہیں جنہیں منٹو نے موضوع بنا کر معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ منٹوں کے افسانوں کی عورت کے خدوخال دریافت کرنے کے لیے چند افسانوں کا مطالعہ کافی ہے۔ "کالی شلوار" منٹو کا مشہور افسانہ ہے جس میں سلطانہ کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ سلطانہ ایک عام گھریلو عورت کی عکاسی کرتی ہے لیکن ایک مرتبہ اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔۔ "کالی شلوار" میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No1 2024

"بائیں ہاتھ کو کھلا میدان تھا جس میں بے شمار ریل کی پٹڑیاں بچھی تھیں۔ دھوپ میں لوہے کی یہ پٹڑیاں چمکتیں تو سلطانہ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھتی جن پر نیلی نیلی رگیں بالکل ان پٹڑیوں کی طرح ابھری رہتی تھیں۔۔۔ کبھی کبھی جب وہ گاڑی کے کسی ڈبے کو جسے انجن نے دھکا دے کر چھوڑ دیا ہو، اکیلے پٹڑیوں پر چلتا تو اسے اپنا خیال آتا۔ وہ سوچتی کہ اسے بھی کسی نے زندگی کی پٹڑی پر دھکا دے کر چھوڑ دیا ہے اور وہ خود بخود جا رہی ہے۔ دوسرے لوگ کانٹے بدل رہے ہیں اور وہ چلی جا رہی ہے۔ جانے کہاں! پھر ایک ایسا وقت آئے گا جب اس دھکے کا زور آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا اور وہ کہیں رک جائے گی۔"(3)

منٹو نے یہاں پر عورت اور پٹڑی کی تمثیل کو پیش کیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ منٹو نے عورت کے ہر رنگ و روپ کو موضوع بنایا جس میں طوائف بھی شامل ہے اور عام گھریلو خاتون بھی۔ منٹو نے اپنی قوت مشاہدہ سے عورت کے ہر ناز نخرے کو بیان کیا ہے چاہے وہ عام عورت میں موجود ہو یا پھر طوائف میں پائے جاتے ہوں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"منٹو نے اپنے افسانوں میں جنس کو عام زندگی سے الگ کر کے دیکھنے کی کوشش نہ کی چنانچہ منٹو کے افسانوں میں عام زندگی سے منقطع یا کوئی جُداگانہ وقوع نہیں بلکہ منٹو کی جنس نگاری کا کمال ہے کہ اس نے جنس کے حوالے سے زندگی کو سمجھا اور سمجھایا۔"(4)

افسانہ "شغل" سڑک بنانے اور پتھر کوٹنے والے مزدوروں کی کتھا ہے جن کی قسمت میں صبح سے شام تک کی بنیاد پر روزانہ بارہ گھنٹے محنت و مشقت کرنا لکھ دیا گیا ہے۔ اتنگ گھنٹوں کی محنت کا معاوضہ فقط چھ آنے ہے جس سے پیٹ کی آگ تک مٹنے کا نام نہیں لیتی۔ وہ بھوک برداشت کرتے ہیں اور خون پسینہ بہا کر کام کرتے رہتے ہیں اور پھر ان کو کام سے نکالے جانے کی دھمکیاں بھی ملتی ہیں۔ منٹو نے مزدوروں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ "افسانہ شغل" میں وہ مزدوروں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم میں اکثر کا لباس پٹو کے تنگ پائجامے، گاڑھے رنگ کی قمیص اور لدھیانوی کی صدری پر مشتمل تھا۔ سب کے پائجامے گھٹنوں پر گھس کر اتنے باریک ہو گئے تھے کی ان میں سے جسم کے بالوں کی پوری نمائش ہوتی تھی۔ یہ بالکل پھٹے ہوئے تھے قمیصوں اور صدریوں کی بھی یہی حالت تھی۔ ان پر جگہ جگہ مختلف رنگ کے پیوند لگے ہوئے تھے قریب قریب ہم سب کی قمیصوں کے بٹن غائب تھے اس لیے سینے عام طور پر کھلے رہتے تھے اور کام کرتے وقت ان پر پسینے کی بوندیں صرف نظر آ سکتی تھیں۔"(5)

اس افسانے میں منٹو نے مزدوروں کی معاشی و جسمانی زبوں حالی کو عمدگی سے بیان کیا ہے۔ ذہنی اور جملہ کیفیات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ امراء کے شغل کے متعلق حاصل ہونے والی معلومات مزدوروں کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں لیکن وہ احتجاج نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں اپنی بے بسی و بے کسی کا بھرپور احساس ہے۔ منٹو نے سیاسی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ معاشی اقدار کی ناہمواریوں کو بھی محسوس کیا۔

افسانہ "نعرہ" ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو الجھنوں، پریشانیوں اور افلاس کا شکار ہے۔ اسے موجودہ سیاسی و سماجی نظام اقدار میں مجوزہ مصائب سے نکلنے کی راہ نہیں ملتی ہے۔ کیشو لال کی مفلسی اس قدر بلند ہے کہ وہ اپنی کھولی تک کا کرایہ ادا نہیں کر سکتا ہے اور جب مالک اس سے کھولی کا کرایہ مانگتا ہے تو اسے سمجھ نہیں آتا وہ کیا کرے۔ ممتاز شیریں کے مطابق اس کا رد عمل سیاسی انسان کی بجائے فطری انسان کا ہوتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"نعرہ" کا پس منظر بھی سیاسی اور معاشی ہے۔ سرمایادارانہ نظام میں دولت کی غیر مساوی تقسیم نگ کسی کو اونچا، کسی کو نیچا کر رکھا ہے۔ غریب کیشولال جس کے پاس کرایہ ادا کرنے کے لیے روپے نہیں سیٹھ کے سامنے کھڑا ہے، اپنے دکھوں کا بوجھ اٹھائے۔ وہ التجا کرتا ہے کرایا کچھ بعد میں ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ دولت مند سیٹھ اپنی بلندی پر سے اس پر گالیوں کی غلاظت پھینکتا ہے۔ کیشولال کو اس کا احساس ہے کہ اس کی غیرت کی قیمت کچھ بھی نہیں کیونکہ وہ مفلس ہے لیکن جس بات پر افسانے میں سب سے زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ گالیاں کھانے کے بعد کیشولال کا رد عمل ہے۔ کیشولال سراپا اضطراب بن گیا ہے۔ ان گالیوں کی غلاظت اسے

چمٹ گئی ہے۔ایک بہت ہی گندہ چیز اس نے نگل لی ہے۔جب تک اسے اگل نہ دے اس کی حالت غیر رہتی ہے۔جب وہ آخر کار ایک روز نعرہ لگا چکتا ہے "ہت تیری۔۔۔۔تو اسے ایک حد تک تسکین ہو جاتی ہے۔یہ رد عمل فطری انسان کا رد عمل ہے۔"(6)

تقسیم ہند کے تناظر میں منٹو کے افسانوں میں سیاسی موضوعات بھی ملتے ہیں۔ایسے افسانوں میں "شغل"، "نعرہ"، "سوراج کے لیے"، نیا قانون "وغیرہ شامل ہیں۔"نیا قانون" افسانہ ایک تانگے والی کی کہانی ہے۔منٹو کے سیاسی موضوعات کے حامل افسانوں میں "نیا قانون" نمائندہ افسانے کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ افسانہ 1995ء کے نئے قانون جسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا نام دیا گیا کی عکاسی کرتا ہے۔اس قانون کے تحت ہندوستانیوں کو اپنے حقوق کے حصول کی لڑائی میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی اور ان کے ساتھ رعایتیں بھی برتی گئیں۔منٹو نے سادگی کے ساتھ انگریزوں کے خلاف پیدائشی نفرت اور ہندوستان کی سیاسی بے حسی کو "نیا قانون" میں سمویا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار منگو کوچوان ہے جو اپنی برادری کے لوگوں میں دانشمند سمجھا جاتا ہے۔اس کا سیاسی شعور بیدار دکھایا گیا ہے اور یہ احساس کہ وہ ایک غلام قوم کا فرد ہے اس کے دل میں انگریزوں کے لیے نفرت کا پہاڑ پیدا کرتا ہے۔یکم اپریل کو جب نیا قانون لاگو ہوا تو منگو نے سوچا اب برابری کا دور دورہ ہو گا۔کوئی حاکم اور محکوم نہیں بلکہ سب ایک برابر ہو چکے ہیں۔وہ ایک انگریز کی ذراسی بات پر بھڑ گیا لیکن نظام سیاست میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اس لیے اسے گورے کو پیٹنے کے جرم میں جیل جانا پڑا۔یہ افسانہ موضوع اور فن کی پختگی کا ضامن ہے۔منٹو نے اس میں حب الوطنی، انسان دوستی اور سیاسی جدوجہد کی عکاسی کی ہے۔ابو اللیث صدیقی کے مطابق:

"یہ ہماری سیاسی جدوجہد کے دور کا آئینہ دار ہے جس میں ہماری آرزوئیں اور ناکامیاں جھلکتی ہیں اور فنی اعتبار سے بھی یہ ایک کامیاب افسانہ ہے۔"(7)

افسانہ "1991ء کی ایک بات" میں بھی منٹو نے سیاسی افکار کو موضوع بنایا ہے۔یہ افسانہ جلیانوالہ باغ کے حادثے کی یادگار ہے۔اس خونی حادثے میں انگریزوں نے ہزار سے زائد ہندوستانیوں کو شہید کر دیا تھا۔اس افسانے کی تخلیق کے پیچھے جو سوچ کار فرما ہی وہ یہی واقعہ تھا۔تھیلا کنجر ایک رنڈی کی اولاد ہے جو انگریزوں کی فرقہ پرستی نہیں سہہ سکتا اس لیے وہ لوگوں کو جمع کر کے انگریزوں پر حملہ کر دیتا ہے۔اس حملے میں طفیل عرف تھیلا کنجر انگریزوں کی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے لیکن جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ اس کی بہنیں شمشاد اور الماس بہت اچھا مجرا گاتی ہیں تو انہوں نے ان کو ناچنے پر مجبور کیا جبکہ طفیل کی قبر کی مٹی خشک تک نہیں ہوئی ہوتی۔ناچتے ہوئے دونوں بہنیں انگریز افسروں کے منہ پر تھوک دیتی ہیں جس پر انہیں گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا ہے۔وارث علوی کے بقول:

"1919 کی ایک بات" بہت ہی اچھا افسانہ ہے۔منٹو کے لیے یہ بات بہت اہم تھی کہ انقلاب فرانس میں پہلی گولی ایک تھکیلائی کو لگی تھی اور امرت سر میں گوروں کی گولی سے ہلاک ہونے والا ایک طوائف کا لڑکا تھا اس کی دو بہنیں شہر کی مشہور طوائفیں تھیں بھائی کے شہید ہونے کے دو روز بعد انہیں گوروں نے اپنے سامنے ناچنے پر مجبور کیا افسانے کا یہی دلچسپ موڑ ہے جہاں اس واقعے کا بیان کرنے والا ٹرین کا مسافر حب الوطنی کے جذبات کے تحت دروغ گوری سے کام لیتا ہے اور بتاتا ہے کہ دونوں بہنوں نے الف ننگے ہو کر انگریزوں کے منہ پر تھوکنا چاہا اور انگریزوں نے دونوں کو گولی سے داغ دیا۔"(8)

قصہ مختصر، منٹو کے اس افسانے میں عورت کا کردار مختلف ہے۔اس افسانے میں جو دو طوائف عورتیں ہیں وہ دیگر طوائفوں سے مختلف اور اعلیٰ درجے کی ہیں کہ دونوں اپنے شہید بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لیے خود کو قربان کر دیتی ہیں۔

افسانہ "دیوانہ شاعر" منٹو کے پہلے افسانوی مجموعے "آتش پارے" میں شامل ہے اور یہ افسانہ جلیاں والا باغ کے خونی حادثے اور دردناک منظر کا عکاس ہے۔موضوعاتی لحاظ سے یہ ایک سیاسی افسانہ ہے جس میں مختلف اور متنوع جذبات پیش کیے گئے ہیں۔آزادی کے حصول کا مقصد انہیں باہم منسلک رکھتا ہے۔اس افسانے میں منٹو کا نظریہ یہ ہے کہ انگریزوں سے بغاوت کرنے میں اچھے اور روشن مستقبل کی امید برحق ہو سکتی ہے۔وہ حب الوطنی اور انسان دوستی کے درس دینے کے ساتھ عوام کی بے کسی اور بے چارگی کو بھی اپنی روح میں حلول ہوتے محسوس کرتے ہیں۔منٹو ایک انقلابی کی یوں تشریح کرتے ہیں:

"انقلابی وہ ہے جو ہر ناانصافی اور ہر غلطی پر چلا اٹھے۔انقلابی وہ ہے جو سب زمینوں اور سب آسمانوں، سب زبانوں اور سب وقتوں کا ایک مجسم گیت ہو۔انقلابی، سماج کے قصاب خانے کی ایک بیمار اور فاقوں مری بھیڑ نہیں۔وہ ایک مزدور ہے تنومند، جو اپنے آہنی

ہتھوڑے کی ضرب سے ہی ارضی جنت کے دروازے وا کر سکتا ہے۔ میرے عزیز یہ منطق خوابوں اور نظریوں کا زمانہ نہیں۔ انقلاب ایک ٹھوس حقیقت کے یہ یہاں موجود ہے اس کی لہریں بڑھ رہی ہیں کون ہے جو اس کو روک سکتا ہے۔ یہ باندھ باندھنے پر نہ رک سکیں گے!

اس کا ہر لفظ ہتھوڑے کی اس ضرب کی مانند ہے جو سرخ لوہے پر پڑ کر اس کی شکل تبدیل کر رہا ہو۔ میں نے محسوس کیا کہ میری روح کسی غیر مرئی چیز کو سجدہ کر رہی ہے۔ شام کی تاریکی بتدریج بڑھ رہی تھی، نیم کے درخت کپکپا رہے تھے۔ شاید میرے سینے میں ایک نیا جہان آباد ہو رہا تھا۔ اچانک میرے دل سے کچھ الفاظ اٹھے اور لبوں سے باہر نکل گئے۔"(9)

انسانی نفسیات، بلوغت اور جنسی بے راہ روی ایسے موضوعات ہیں جن پر شہرہ آفاق ناول نگاروں نے بھی قلم اٹھانے سے اجتناب کیا لیکن منٹو کے ہاں یہ موضوعات مکمل آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ منٹو نے بلوغت کی نفسیات نفسیات اور جنسی بے راہ روی کو موضوع بنا کر کثیر تعداد میں افسانے لکھے اور ہر افسانے کا رنگ جُداگانہ ہے۔ ان افسانوں میں میل کھاتے موضوعات ہیں لیکن ہیئت و فن کے اعتبار سے یہ افسانے منفرد ہیں۔ "دھواں"، "بلاؤز"، "پھاہا" اور "شو شو" افسانے بلوغی نفسیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ دھواں اور بلاؤز میں منٹو نے مردوں کی بلوغت اور جنسی بے راہ روی پر قلم زنی کی ہے جبکہ "پھاہا" اور "شو شو" میں لڑکیوں کی نفسیات اور جنسی بے راہ روی کو ظاہر کیا گیا ہے۔

افسانہ "دھواں" میں والدین کے جنسی فعل کو بتایا گیا ہے کہ کیسے وہ روز روشن میں مباشرت سرانجام دیتے ہیں جس کا براثر مسعود اور کلثوم پر ہوتا ہے۔ دونوں ہی وقت سے قبل بلوغت کی سرحد عبور کر لیتے ہیں اور مسعود کی بڑی بہن کلثوم جنسی لحاظ سے مشتعل ہو جاتی ہے۔ والدین کی غفلت بچوں کی جنسی بے راہ روی کا موجب بنتی ہے۔ بلوغت کی آمد کے ساتھ منٹو نے مسعود کی ذہنی کیفیت کا اظہار عمدگی سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"بارش کی وجہ سے سردی کی شدت بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اب ہوا بھی چل رہی تھی مگر یہ سردی ناخوشگوار معلوم نہیں ہوتی تھی۔ تالاب کے پانی کی طرح یہ اوپر ٹھنڈی اور اندر گرم تھی۔ مسعود جب فرش پر لیٹا تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ سردی کے اندر دھنس جائے جہاں اس کے جسم کو راحت انگیز گرمی پہنچے۔ دیر تک وہ ایسی شیر گرم باتوں کے متعلق سوچتا رہا۔ جس کے باعث اس کے پٹھوں میں ہلکی ہلکی سی دکھن پیدا ہوئی۔ ایک دو بار اس نے انگڑائی کی تو اسے مزہ آیا۔ اس کے جسم کے کس حصے میں اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کہاں، کوئی چیز اٹک سی گئی تھی یہ چیز کیا تھی۔ اس کے متعلق بھی مسعود کو علم نہیں تھا، البتہ اس اٹکاؤ نے اس کے سارے جسم میں اضطراب، ایک دبے ہوئے اضطراب کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس کا سارا جسم کھینچ کر لمبا ہو جانے کا ارادہ بن گیا تھا۔"(10)

افسانہ "دھواں" میں مسعود کا ماں باپ کو مباشرت کرتے دیکھنا اور بہن کلثوم کے اپنی سہیلی سے ہم جنسیت کے تعلق کو دیکھ کر اپنی ذہنی و جسمانی کیفیت کو نا سمجھتے ہوئے بھی اسے ایک خوشگوار احساس ہوتا ہے:

"کلثوم جب مسعود سے کمر اور ٹانگیں دبواتے ہوئے لذت محسوس کرتی ہوئی ھولے ھولے، ھائے جائے، کرتی ہے تو وہ خوابیدہ جذبہ جس سے مسعود اب تک نا آشنا تھا۔ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اسے بھی رائے اور ایک بے نام سی لذت کا احساس ہونے لگتا ہے۔"(11)

منٹو نے جنسی اور نفسیاتی کیفیات کو موضوع بنا کر خوبصورتی سے سماج کے ان پہلوؤں کی عکاسی کی جو انسان سے انجانے میں سرزد ہو رہے ہوتے ہیں اور ان کا انتقال دوسروں پر ہوتا ہے۔ افسانہ "بلاؤز" میں بلوغت کی سرحد پر قدم رکھنے والے مومن کی جنسی بے راہ روی کی کہانی بیان ہوئی ہے جس کے معنی سے وہ خود نا آشنا ہے۔ اس نازک نفسیاتی موضوع کی کہانی میں منٹو نے اپنے تاثرات اور تصورات کو ایک ہی لڑی میں پرو کر یوں بیان کیا ہے:

"شکیلہ کے سفید بغل میں کالے کالے بالوں کا ایک گچھا نظر آ گیا۔ یہ گچھا اسے بہت بھلا معلوم ہوا۔ ایک سنسنی سی سارے بدن میں دوڑ گئی۔ ایک عجیب و غریب خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی کہ یہ کالے کالے بال اس کی مونچھیں بن جائیں۔"(12)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No1 2024

مومن چونکہ نوخیز ہے اس لیے اسے ابھی ان باتوں کا علم نہیں ہے۔ وہ سراسیمگی کا شکار ہے اور اس مخمصے میں ہے کہ جو اس نے دیکھا اس کا کیا نتیجہ نکالے۔ ایک دن جب وہ ٹرنک کھول کر عہد کے کپڑے دیکھتا ہے تو:

”رومی ٹوپی کا خیال آتے ہی اس کے سامنے اس کا پھندنا فوراً ہی ان کالے کالے بالوں کے گچھے میں تبدیل ہو گیا جو اس نے شکیلہ کی بغل میں دیکھا تھا۔“(13)

منٹو کے ان موضوعات کو معاشرے نے فحش سمجھا اور اس پر قدغن بھی لگائی گئی لیکن دیکھا جائے تو معاشرے میں اس بات کی ضرورت بہت توجہ سے ہے کہ بچوں کو ان معاملات کی تعلیم دی جائے۔ انہیں بلوغت کے معانی و مفاہیم سے آشنا کیا جائے۔ مومن جس گھر میں نوکری کرتا ہے وہاں کی نوجوان لڑکیوں کو دیکھ اس کی بے راہ روی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ اس کے جسم میں نامعلوم کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے ذہن پر بلاؤز مسلط ہے اور بالآخر ایک رات کو:

”جب وہ سویا تو اس نے کئی اوٹ پٹانگ خواب دیکھے۔ ڈپٹی صاحب نے پتھر کے کوئلوں کا ایک بڑا ڈھیر اس سے کوٹنے کو کہا۔ جب اس نے ایک کوئلہ اٹھایا اور اس پر ہتھوڑے کی ضرب لگائی تو وہ نرم نرم بالوں کا ایک گچھا بن گیا۔ یہ کالی کھانڈ کی مہین مہین تار تھے جن کا گولا بنا ہوا تھا۔ پھر یہ گولے اوپر جا کر پھٹنے لگے۔ پھر آندھی آگئی اور مومن کی رومی ٹوپی کا پھندنا کہیں جا کر غائب ہو گیا۔ پھندنے کی تلاش میں نکلا۔ دیکھی اور ان دیکھی جگہوں پر گھومتا رہا۔ ایک کالی ساٹن کے بلاؤز پر اس کا ہاتھ پڑا کچھ دیر تک وہ کسی دھڑکتی ہوئی چیز پر اپنا ہاتھ پھیرتا رہا۔ پھر دفعتاً ہڑبڑا کے اٹھا بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ کیا ہو گیا۔“(14)

منٹو کے ہاں دوسرا بڑا موضوع جنس نگاری ہے۔ جنسی تحقیر و تذلیل پر مشتمل افسانوں میں ”ھتک اور خوشیا“ صف اول کے افسانے ہیں۔ افسانک ”ھتک میں عورت کی نسوانیت ہر چوٹ کی گئی ہے جبکہ ”خوشیا“ میں مرد کے وقار کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ دونوں کہانیوں میں انتہا کی شدت اور حدت سے ذہنی کرب و بلا کا اظہار کیا گیا ہے۔ ”ہتک “ کا مرکزی کردار سوگندھی ایک بازاری عورت ہے۔ ایک رات رام لال دلال ایک سیٹھ کو اسی کی موٹر میں لے آتا ہے اور سوگندھی کو نیند سے جگاتا ہے جو بن سنور کر سیٹھ کے پاس جاتی ہے۔ سیٹھ گاڑی کے اندر سے ہی ٹارچ کی روشنی ڈال کر سوگندھی کو دیکھتے ہوئے حقارت سے ”اونہہ “ کہتا ہے اور گاڑی بھگا کر لے جاتا ہے۔ سوگندھی کے لیے سیٹھ کی سونہہ تذلیل و تشنیع تھی جو اس کے ل و جگر کو تار تار کر دیتی ہے۔ سوگندھی ایک حساس، خود دار، نیک سیرت، خوش طبع اور رحم دل عورت ہے جس کی آنا اور خود داری کی چنگاری اس کے پیشے کی راکھ تلے دبی ہوئی ہے۔ وہ بازار عورت ہو کر بھی جنسی طور پر ناآسودہ ہے۔ اس کے اندر کی عورت زندہ ہے۔ منٹو نے اس افسانے میں جنسی تحقیر کا موضوع پیش نظر رکھا اور منٹو کے زور بیان اور شدت اظہار کے بہترین نمونے اس افسانے میں جا بجا ملتے ہیں: مادھو چلایا: ”سوگندھی“ سوگندھی نے تیز لہجے میں کہا:

”سوگندھی کے بچے تو آیا کس لیے ہے یہاں؟ تیری ماں رہتی ہے یہاں جو تجھے پچاس روپے دے گی۔ یا تو کوئی ایسا گبرو جوان ہے جو میں تجھ پر عاشق ہو گئی ہوں۔ کتے کمینے! مجھ پر رعب گانٹھتا ہے۔ میں تیری دبیل ہوں کیا؟ بھیک مانگنے تو اپنے آپ کو سمجھ کیا بیٹھا ہے۔ میں پوچھتی ہوں تو ہے کون؟ چور یا گٹھ کترا، اس وقت تو میرے مکان میں کرنے کیا آیا ہے۔ بلاؤں پولیس کو۔ پونے میں تجھ پر کیس ہو نہ ہو یہاں تو تجھ پر ایک کھڑا کر دوں۔“(15)

ہتک کا انجام چونکا دینے والا ہے۔ ایک عورت جو پیٹ کی خاطر خود کو دس روپے میں بیچ دیتی ہے اور دلال کا حصہ نکال کر اس کے پلے فقط ساڑھے سات روپے ہی پڑتے ہیں۔ طوائف کی زندگی کا المیہ ہے کہ جب تک سرمایادارانہ نظام رہے گا عورت کی یوں ہی ہتک جاری رہے گی۔ کرشن چندر نے ”ہتک “ افسانے کو کچھ یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

”ہتک اپنی نوع کے افسانوں میں دنیا کے کسی بھی افسانے سے ٹکر لے سکتا ہے۔ اردو میں اس موضوع پر اس پایہ کی کوئی کہانی نہیں لکھی گئی۔“(16)

سوگندھی کو مشہور ادیب اور افسانہ نگار دیویندر ستیار تھی نے اپنے مشہور انداز میں یوں لکھا:

"جب منٹو بارگاہ اللہ تعالیٰ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ازراہ شکایت اپنے خالق حقیقی سے کہا:"تم نے مجھے محض بیالیس سال آٹھ مہینے اور سات دن ادھار دیے، لیکن میں نے تو سوگندھی کو صدیاں دی ہیں۔"(17)

افسانہ "خوشیا" میں منٹو نے مردانہ کردار کو تحقیر کا نشانہ بنایا ہے۔ خوشیا جو کہ افسانے کا مرکزی کردار ہے اور رنڈیوں کا دلال بھی، جب وہ کانتا سے ملتا ہے تو اس کے لفظ لفظ میں خوشیا کے لیے تحقیر و تذلیل چھلکتی ہے۔ کانتا کا خوبصورت، سڈول اور سانولا جسم خوشیا کے اندر گھل گھل کر سرایت کرنے لگتا ہے۔ خوشیا چونکہ دس برس سے رنڈیوں کے لیے دلالی کا کام کر رہا ہوتا ہے اس لیے اس کا پردہ نہیں ہوتا۔ جب وہ اجازت مانگ کر کانتا کی کھولی میں جاتا ہے تو کانتا کہتی ہے:

"اپنا خوشیا ہی تو ہے، اندر آنے دو۔"(18)

یہ جملہ معانی کا ایک جہان ہے کہ جس سے آگاہ ہونے کے بعد خوشیا کی مردانگی کو ٹھیس پہنچتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ شاید وہ مرد ہی نہیں اس لیے کانتا اس کے سامنے ننگی کھڑی ہو گئی۔ اسے یہ عمل تحقیر پر مبنی لگتا ہے اور وہ اس جنسی تحقیر کا بدلہ لینے پر تُل جاتا ہے۔ منٹو نے نفسیات کو موضوع بنا کر بھی افسانے تحریر کیے۔ ان افسانوں میں "ڈرپوک"، "بانجھ"، "سڑک کے کنارے" جیسے افسانے شامل ہیں۔ ان افسانوں میں انسانی نفسیات کو محرک بنا کر انسان کی فطری اور نارمل خواہش جس کی طویل عرصے تک تکمیل نہ ہو اور اس کو دبا دیا جائے تو ایک ذہنی جھجک پیدا ہو جاتی ہے۔ منٹو نے اس نفسیاتی حقیقت کو کمال فن سے افسانے کے قالب میں ڈھالا۔

افسانہ "سڑک کے کنارے" میں منٹو نے انسانی جذبات اور احساسات کو ہو بہو بیان کیا ہے۔ یہ ایک ایسی عورت کی نفسیاتی کہانی ہے جو اپنی پھڑ پھڑاتی ہوئی روح کو ایک ہرجائی کے حوالے کر دیتی ہے جو اس کی روح و جسم سے کھیل کر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ماں بن جاتی ہے اور بطور ماں وہ تمام دنیا سے ٹکر لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ممتاز شیریں نے "سڑک کے کنارے" کو منٹو کی ادبی تکمیل کا مظہر کہا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"ایک خاص واقعہ، ایک خاص تجربہ، ایک خاص انوکھا انفرادی کردار پیش کرنا منٹو کی ایک خصوصیت تھی۔ اس میں ایک خاص واقعہ ہے یہاں ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ واقعہ کسی خاص عورت اور خاص مرد سے وابستہ تھا۔ وہاں ازلی عورت اور ازلی مرد سے ان کا ملاپ، وجود کی تکمیل، وہ ازلی بنیادی گناہ اور اسی بنیادی گناہ کا کفارہ، جو صرف عورت ادا کرتی ہے۔"(19)

افسانہ نگاری کے فن میں منٹو نے جن موضوعات کو اپنے افسانوں میں استعمال کیا اس میں کچھ افسانوں کو فحش کہا گیا اور انہیں معتوب ٹھہرایا گیا۔ "کالی شلوار اور دھواں" دونوں افسانوں کو حکومت نے قانون کی نظر میں فحش اور مخرب الاخلاق قرار دیا۔ افسانہ "کھول دو" فرقہ وارانہ فسادات کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ جو تلخ حقیقت اس افسانے میں موجود ہے وہ کسی اور میں نہیں ملتی۔ یہ کہانی سکینہ اور اس کے بوڑھے باپ سراج الدین کی ہے جس میں تقسیم کے بعد فسادات میں اس کی بیوی مر گئی اور بیٹی بچھڑ جاتی ہے۔ سراج الدین رضاکاروں سے بیٹی ڈھونڈنے کا کہتا ہے اور وہ اس کا حلیہ پوچھ کر اسے ڈھونڈنے کا کہہ کر تسلی دیتے ہیں۔ سکینہ رضاکاروں کو مل جاتی ہے لیکن سراج الدین کو نہیں۔ سراج الدین اسے دیکھنے جاتا ہے اس امید میں کہ شاید وہ سکینہ ہو۔

"کمرے میں دفعتاً روشنی ہوئی۔ سراج الدین نے لاش کے زرد چہرے پر چمکتا ہوا تل دیکھا اور چلایا "سکینہ"
ڈاکٹر نے جس کمرے میں روشنی کی تھی سراج الدین سے پوچھا
"کیا ہے"

سراج الدین کے حلق سے صرف اتنا نکل سکا "جی میں۔۔۔۔ جی میں اس کا باپ ہوں۔"(20)

فسادات کے موضوع پر "کھول دو" منٹو کا واحد افسانہ ہے جس میں منٹو نے کردار نگاری کو ہندو اور مسلمان مذہب سے بلند ہو کر انسانی سطح پر لکھا۔ اس افسانے کا اختتام انتہائی متاثر کرنے والا ہے۔ ممتاز شیریں کے بقول:

"کھول دو" زبردست افسانہ ہے اور فسادات پر لکھے گئے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔ اس کے اختتام کا اثر اتنا زیادہ ہے کہ افسانے کی دوسری سب تفصیلات غیر اہم اور قابل فراموش معلوم ہوتی ہیں لیکن بحث اور اعتراضات زیادہ تر اس کے رضاکاروں والے حصے پر ہوئے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے کہ یہ واقعہ زندگی سے لیا گیا ہے اور اس لڑکی کی یہ حالت اس رضاکاروں کی وجہ سے نہیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No1 2024

ہوئی تھی تو یہی بہتر تھا کہ وہ اسے حقیقی صورتحال میں پیش کر دیتے لیکن یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی بے بسی سے فایدہ اٹھا کر اپنے بھی انہیں لوٹتے رہے ہیں۔"(21)

افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں منٹو ایک پاگل سکھ کردار کے ذریعے اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ ایک آدمی کو خارجی دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اس پر افسانوں اور علاقوں کی ادلا بدلی کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ٹوبہ ٹیک سنگھ موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے منٹو کی اہم کہانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ماہرِ منٹو وارث علوی اس کہانی کو موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے لاجواب قرار دیتے ہیں۔انہوں نے "منٹو ایک مطالعہ" میں لکھا:

"ذرا دیکھیے تو افسانہ میں تھیم اور اور اس کے اظہار کی پوری مشینری۔۔۔۔۔یعنی تقسیم ملک،لوگوں کی ہجرت،پاگلوں کا تبادلہ اور ایک پاگل بشن سنگھ کی روداد ایک دوسرے میں کیسے پیوست ہو چکی ہے کہ اس تھیم کو اسی شدت اور تاثر کے ساتھ بیان کرنے کا کوئی اور پیرائیہ نظر نہیں آتا۔موضوع اور ہیئت کی یہ مکمل یک آہنگی اس کہانی کی فنکارانہ تکمیل کا ثبوت ہے۔"(22)

منٹو نے جہاں معاشرے کے گوناں گوں مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا وہیں طوائف کی زندگی،ان کے مسائل اور ان کی نفسیات کو بھی اپنی تخلیقات میں پیش کرنے کی کوشش کی۔منٹو کے زیادہ تر افسانوں میں طوائفیت اور جنسی زندگی کے حالات و واقعات ملتے ہیں۔انہوں نے جنس کو انسان کی بنیادی ضرورت کے طور پر پیش کیا۔طوائفوں کی نفسیات اور ان کی زندگی کو موضوع بنا کر لکھے گئے افسانوں میں ہمارا واسطہ بہت سی طوائفوں جانکی،شاردا،سوگندھی،سراج،زینت اور فوبھابائی وغیرہ سے پڑتا ہے۔جنس انسانی جبلت کا حصہ ہے اس لیے اس کے اظہار کے لیے فطرتی آزادی میسر ہے۔جنس کے اظہار پر قدغن لگانے کی صورت میں انسان کی جنسی زندگی بے قاعدگیاں اور افراتفری کا شکار ہو جاتی ہے۔بقول منٹو:

"حضرات یہ جسم فروشی بہت ضروری ہے آپ شہر میں خوبصورت اور نفیس گاڑیاں دیکھتے ہیں جن خوبصورت اور نفیس گاڑیاں کوڑا کرکٹ اٹھانے کے کام نہیں آسکتیں گندگی اور غلاظت اٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے اور گاڑیاں موجود ہیں جنہیں آپ کم دیکھتے ہیں اور اگر دیکھتے ہیں تو فوراً اپنی ناک پر رومال رکھ لیتے ہیں ان گاڑیوں کا وجود ضروری ہے اور ان عورتوں کا وجود بھی ضروری ہے۔جو آپ کی غلاظت اٹھاتی ہیں اگر یہ عورتیں نہ ہوتیں تو ہمارے سب گلی کوچے مردوں کے غلیظ حرکات سب بھرے ہوتے۔"(23)

منٹو اس حقیقت سے واقف تھے کہ انسان کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہوتا ہے۔وہ جس قدر خارجی زندگی جیتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ داخلہ زندگی جیتا ہے۔ارمانوں اور خواہشوں کی تکمیل نہ ہونگ کے سبب نفسیاتی الجھنیں اس کے وجود کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔منٹو نے دیگر ترقی پسند مصنفین کے برعکس عام آدمی کا دکھ ان کے درمیان جا کر محسوس کیا اور ان کے مسائل کو اپنا مسئلہ سمجھ کر اس میں دلچسپی لی۔عام آدمی چاہے بدکار ہو یا نیکوکار،عصمتوں کا دلال ہو یا کھولی میں رہنے والا محنت کش جسے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہ ہو،فاقہ زدہ قسمت کی ماری عورت ہو یا عصمت فروخت کر کے پیٹ بھرنے والی طوائف ہو منٹو ان سب افراد کا عکس اپنے افسانے میں ظاہر کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1. محمد حسن،پروفیسر،"سعادت حسن منٹو اپنی تخلیقات کی روشنی میں(ایک نفسیاتی تجزیہ)،دار الاشاعت ترقی دہلی،ص5
2. ۔ایضاً،ص86
3. ۔سعادت حسن منٹو،"مجموعہ کالی شلوار"،مکتبہ شعر و ادب سمن آباد لاہور،ص146
4. ۔انوار احمد،ڈاکٹر،اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،2007ء ص:381
5. ۔سعادت حسن منٹو،"منٹو کے افسانے"،مکتبہ اردو بازار لاہور،بار دوم1940،ص13
6. ۔ممتاز شیریں،"منٹو:نوری نہ ناری"ساقی بک ڈپو،دہلی1991ء۔ص:45-46
7. ۔محمد طفیل(مرتب)نقوش،لاہور۔منٹو نمبر49-50ادارۂ فروغ اردو لاہور۔ص۔288
8. ۔وارث علوی"سعادت حسن منٹو" ساہتیہ اکادمی،پہلا ایڈیشن،1995ء ص:44

9. ۔منٹو:"دیوانہ شاعر"مشمولہ"آتش پارے اور سیاہ حاشیے"ساقی بک ڈپو، دہلی،1997ء ص:116-117-118

10. سعادت حسن منٹو، مجموعہ 'دھواں'، ص12

11. ایضاً، ص13

12. سعادت حسن منٹو، مجموعہ 'منٹو کے افسانے'1940ء، ص56

13. ایضاً، ص57

14. ایضاً، ص59

15. سعادت حسن منٹو، منٹو کے یادگار افسانے 'ہتک'، ص38

16. کرشن چندر، "سعادت حسن منٹو"، ص85

17. دیوندر ستھیارتھی، "سعادت حسن منٹو"، ص236

18. سعادت حسن منٹو، منٹو کے افسانے 'خوشیا'، ص39

19. ممتاز شیریں، منٹو کی فنی تکمیل 'نقوش لاہور'، ص49

20. سعادت حسن منٹو"کھول دو"مشمولہ"منٹو کی شخصیت اور فن"ترتیب وانتخاب پریم گوپال متل موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی فروری1980ء۔ص،149

21. ۔ممتاز شیریں "فسادات اور ہمارے افسانے"مشمولہ ذہن جدید۔ترتیب۔زبیر رضوی، جے کے آفسٹ پریس دہلی، جلد۔4 شمارہ۔14 دسمبر تا فروری1996ء ص21

22. ۔وارث علوی، "منٹو؛ایک مطالعہ "جے، کے، آفسٹ پریس، نئی دہلی1997ء ص209

23. سعادت حسن منٹو، "منٹو کے ادبی مضامین"، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی۔بار اول1972ء، ص157

1. Muhammad Hasan, Professor, Saadat Hasan Manto in the light of his creations (a psychoanalysis), Dar-ul-Isha'at Targhee Delhi, p. 5
2 - Ibid, p. 86
3- Saadat Hasan Manto, "Collection of Kali Shalwar, School of Poetry and Literature, Sumanabad, Lahore, p. 146
4- Anwar Ahmad, Dr., Urdu Fiction Ek Siddi Ka Kissa, Islamabad: Moqtadra Qaumi Language, 2007, p. 381
5- Saadat Hasan Manto, Manto's Tales", Maktaba Urdu Bazar Lahore, second edition 1940, p. 13
6 - Mumtaz Shireen, Manto: Noori Na Naari, Saqqee Book Depot, Delhi, 1991. P.: 45-46
7 - Muhammad Tufail (compiled) Naqosh, Lahore. Manto No. 49-50 Urdu Promotion Institute Lahore. P. 288
8. Waris Alavi Saadat Hasan Manto" Sahitya Akademi, First Edition, 1995 p. 44
9 - Minto: "The Mad Poet, Contents with Fireworks and Black Margins, Saqqee Book Depot, Delhi, 1997, pp. 116-117-118
10. Saadat Hasan Manto, Collection of Smoke, p. 12
11. Ibid, p14
12. Saadat Hasan Manto, Collection 'Manto's Tales 1940, p. 56,57

13.Ibid,p. 13.

14. Ibid, p59
15. Saadat Hasan Manto, Manto's Yadgar Afsane Hatak, p. 38
16. Krishan Chandra, Saadat Hasan Manto, p. 85
17. Devendra Sathyar, Saadat Hasan Manto, p. 236
18. Saadat Hasan Manto, Manto's Fiction "Khushaya", p. 39
19. Mumtaz Shireen, Manto's Technical Completion of Imprints, Lahore, p. 49
20 - Saadat Hasan Manto Open, Contents Manto's Personality and Art, Layout and Selection Prem Gopal Mittal Modern Publishing
House, Delhi, February 1980. P., 149
21 - Mumtaz Shireen Riots and Our Myths, Containing Mind Modern Format Zubair Rizvi, JK Offset Press Delhi, Vol. 4, number 14, December to February 1996, p. 21
22. Waris Alvi, Minto ; A Study" Jay, K, Offset Par Lis, New Delhi 1997 p. 209
23. Saadat Hasan Manto, "Literary Essays of Manto", Ibidjan Publishing House, Delhi, 1st edition, 1972, p. 157